

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

پچھلی مرتبہ جو گزارشات کی تھیں، اب اس سے ذرا آگے کی باتیں ہو جائیں۔

پہلی اشد ضروری بات یہ ہے کہ آیا خادمانِ دین اور داعیانِ نظامِ حق اپنے بنیادی عقیدے، جذبے، شعور اور نصب العین کو اس طرح تروتازہ اور جاندار رکھنے میں کامیاب ہیں، جیسا کہ وہ ان میں کبھی پہلے تھا؟

ایمان و مقصد کی آبیاری تو مطالعہ قرآن و حدیث، اساسی عبادات کی پابندی اور ان سے صحیح ایمانی شعور کی استفادہ اور نظامِ سع و طاعت کے احترام سے ہوتی ہے۔ دینی کردار کے لیے مزید توانائی کا حصول متحد و تدبیروں سے ممکن ہے، مثلاً مخلوقِ خدایا کی مختلف امکانی طریقوں سے خدمت، خاندانِ پُر و س اور اُس وسیع حلقے کے مستحقین کی مدد، نادار طلبہ، محنت کشی غریب، محتاج بیابوں، نیز بیواؤں، یتیموں اور محذوروں کو اپنے مال اور قوت بازو اور اپنے وسائل سے سہارا دینے کی بے تابانہ سرگرمی، اور پھر سب سے خواص و عوام کے زیادہ سے زیادہ حلقوں کے اندر زیادہ سے زیادہ افراد تک خدا و رسول کی پکار کو پہنچانے کی مجاہدانہ تگ و دو، جتنی زوردار یہ کوششیں رہی ہوں گی، ان کی شادابی آپ کے ایمان میں، اور ویسی ہی تروتازگی آپ کی محبتِ نصب العین میں موجود ہوگی۔ یہ اگر نہیں ہے تو بلاشبہ اس میں کچھ دوسروں کی کوتاہیوں کا حصہ بھی ہو سکتا ہے اور کچھ آپ کے ماحول اور مسائل کا اثر بھی پڑ سکتا ہے، مگر ہر صورت عند اللہ سب سے پہلی اور بڑی ذمہ داری آپ کی ہے خصوصاً جس دن سے خدا کے کسی بندے نے آپ کو مخربک اقامتِ دین کا شعور دلایا، اُس دن سے ذمہ داری کے بوجھ کا زیادہ بڑا حصہ اُس کے کندھوں پر لگ گیا۔

اب جو رہنمائی آپ اور مجھ سے آخرت میں ہوگی، ہو سکتا ہے کہ محفوظ ٹری ہیٹ رعایت یہیں

دوسروں کی کوتاہیوں اور ماحول کی مشکلات کی وجہ سے مل جائے، مگر ہم پوری طرح یہ ثابت نہ کر سکیں گے کہ ہمارا پارٹ زیادہ تر ٹھیک رہا۔ بس غیر اختیاری وجوہ سے کہیں کوئی کسر رہ گئی۔ دوسروں کی واقعی اگر کوئی کوتاہی ثابت ہوگی تو اس کا حساب انہیں دینا ہوگا۔ لیکن اُن کو اگر بڑی سے بڑی سزا بھی مل جائے تو وہ سزا مجھے اور آپ کو بخشوا نہیں سکے گی۔

ملک کے دینی لوگ جو آپس میں مل بیٹھنے پر کارِ دین کی کمی کا رونا روتے ہیں، میرا مشاہدہ ہے کہ وہ سارا الزام دوسروں پر دھرتے ہیں (چاہے وہ اُن کے اپنے ساتھی یا پیش رو ہوں، چاہے حکومت اور اُس کے کارکن ہوں، چاہے مخالفین اور معاندین) اور گفتگو جب اس رخ پر چل نکلتی ہے تو اصل مبحث فراموش ہی ہو جاتا ہے۔ ہر دو دو چار چار ملنے والے بات کرتے کرتے ایک عدالت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اور کسی بھی غیر حاضر ملزم کو کھڑے میں کھڑا کر کے اس پر فرد جرم لگا دیتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ خرابی احوال اور کوتاہی کار کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہیں۔ کم سے کم میرا تجربہ و مشاہدہ یہی ہے کہ اس قسم کی پرائیویٹ مجالس اور گفتگوؤں میں خود شرکاء یہ ٹھہر جاتے ہیں کہ اُن کا فرض کیا ہے اور اُن کے امکانات میں کیا کچھ ہے۔ اور انہیں کن کمزوریوں یا مشکلات کو دور کر کے سعی و جہد کرنی ہے، اور انہیں یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ خود ایک کمزور پرزہ بن جانے کے بعد نیکی پھیلانے والی ساری مشینری پر کیسا بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ اور اگر ایسے ہی چند پرزے اور موجود ہوں جن میں سے کوئی ناکارہ ہو جائے، کوئی اٹاؤ کر چلے، کوئی بار بار سامنے کے پرزوں کو خراب کرے تو مجموعی نتیجہ پر کیا اثر بد پڑے گا۔

میں ایسی گفتگوؤں کو نہ س گیا کہ دینِ برحق کی دعوت پھیلانے والے دو چار دوست مل کر بہ سوال اٹھائیں کہ آؤ بھائیو! یہ سوچیں کہ ہمارے اندر ایک عرصے سے برف کیوں گرنے لگ گئی ہے، ہمارے جذبات آئس کریم کیوں بنتے جا رہے ہیں؟ ہم ایک ٹھنڈی پیخ دلدل میں آہستہ آہستہ نیچے جا رہے ہیں، آخر کیوں؟ اور پھر اس پر غور کریں کہ ہمارے اندر کس چیز کی کمی ہے؟ پہلے ہم کیا کرتے تھے جواب نہیں کرتے، یا پہلے کیا نہیں کرتے تھے جواب کرنے لگے ہیں؟ پھر وہ یہ مثبت قدم اٹھائیں کہ ہم بحالاتِ موجودہ (IN SOME GIVEN CONDITIONS) اپنی قوتوں کو دین کی سر بلندی کے لیے کس کس طرح استعمال کر سکتے ہیں اور حوصلہ کیسے رہ گئی ہے اُس کی تلافی کیسے کر سکتے ہیں۔

میں تو کہتا ہوں کہ سچے مومن کا کام یہ ہے کہ وہ تنہائی میں خود ہی اپنے متعلق سوچے کہ وہ کہاں کہاں کتاہی کر رہا ہے اور اُسے کس کس سرگرمی کا آغاز کر دینا چاہیے۔ نماز اسی لیے پڑھی جاتی ہے کہ قیامِ قعود اور رکوع و سجود میں آدمی اپنا احتساب کرے، بستر پر جاتے ہوئے دن بھر کا چٹھا کھول کر نگاہوں کے سامنے رکھے، صبح جب ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَاْنَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ“ پڑھتا ہوا اٹھے اور دروازے سے جب بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ پکار کر قدم باہر نکالے تو نئے دن کا نیا پروگرام (ORDER OF THE DAY) اُس کے سامنے ہونا چاہیے۔

اسی تجربے کی ابتدا کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنی کھربوشتوں اور پرائیویٹ گفتگوؤں کے متعلق طے کر لیں کہ دوسروں پر الزام لگانے اور اُن کے خلاف شکایات بیان کرنے کے بجائے ہم پہلے اپنے خلاف الزام لگائیں گے۔ اور اپنے بارے میں شکایات کو زیر بحث لائیں گے۔ اور کونا ہی یا غلطی کی تلافی کریں گے۔ کسی دوسرے سے کوئی شکایت ہوگی تو پھر اس سے جا کر خلوص اور خیر خواہی اور اپنے ضمیر کی صفائی کے ساتھ بات کریں گے۔

بدقسمتی سے ہماری اکثر و بیشتر گفتگوئیں غیبت و نحوئی کے دائرے میں چلی جاتی ہیں اور ہم اپنے گمراہ لو دایمان اور جذبات پر کئی غلطیتیں ڈال کر اٹھتے ہیں۔

یہ دین کا کام کرنے والے حلقوں کے لیے بڑی دُور مار تباہی کے اسباب ہیں۔

دینی کام کے لیے بہت بڑا سرمایہ محبت و اخوت کا ہے۔ خدا کی راہ میں گامزن ہونے والے قلیل النعماء اگر وہ اس محبت و اخوت کے ذریعے ”دو اور دو چار“ کے بجائے ”دو اور دو چھ“ (یا آٹھ) ثابت ہوتے ہیں۔

محبت و اخوت کا یہ تعلق اولاً اس ایمان پر قائم ہوتا ہے کہ ہم ایک خدا کے بندے ہیں، ایک رسولؐ کے مشن کے خادم ہیں۔ اور ایک ہی نصب العین کے حصول کے لیے منظم فرج بن کر کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح مشترک مخالفتوں کا احساس اتحاد و محبت کا باعث بنتا ہے اور ہم ایک دوسرے کے ہمتے پکڑ کر سیلاب کی موجوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور جس کے قدم لرزہ مٹانے لگتے ہیں اُسے دیووں سا تھی سہارا دینے کو موجود ہوتے ہیں اور دیا و محبت کے اصول اور طریقے قرآن و حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ حسن ظن اور سلام و ہمدردی

سے لے کر سمدی، اثباتِ مک کے سارے راستے بتائے گئے ہیں۔ اور خاص طور سے ذاتی رابطوں اور ذاتی اعمال میں دلچسپی لینے کا احساس دلایا گیا ہے۔

دوسری طرف اہل دین کے رشتہ محبت و اخوت کو تباہ کرنے والی چیزیں بہت سی ہیں جن کا قرآن و حدیث میں بیان ملتا ہے۔ ان میں تخفیر آمیز استہزا، بدکلامی، غیبت، بہتان اور نجوی جیسی باتیں اول درجے پر آتی ہیں۔

یہ خرابی بھی کچھ کم ضرر ناک نہیں ہے کہ کسی فرد یا کسی گروہ پر تنقید و اختلاف کو خود اس کے سامنے لانے کے بجائے ادھر ادھر پھیلا یا جائے، اور مشورت کے راستے سے جہاں معاملات ہو رہے ہوں، وہاں توڑائے وہی یا اختلاف کے حق کا صحیح طریق سے استعمال نہ کیا جائے، بعد میں فیصلوں اور پالیسیوں کے خلاف رائے زنی کی جائے۔ علاوہ انہی جب رائے وہی، اظہار اختلاف اور تنقید و احتساب میں حق نصیح کی ادائیگی کا اہتمام نہ کیا جائے، یعنی اس میں مروجہ غیر غلامی موجود نہ ہو اور ان امور کے لیے متوازن ذہن کے ساتھ مناسب الفاظ اور لہجہ اختیار نہ کیا جائے اور بہت سے دوسرے لوگوں کے کسی رائے پر جمع ہوجانے کے بعد اپنی ذاتی رائے کو باقی رکھ کر اُسی کے مطابق اپنی روش بنائی جائے تو اس طرح دین کا کام نہ کبھی چلا ہے، نہ آئندہ چل سکے گا۔

اقامتِ دین کی سعی بڑی سائنس و سائنس دانوں کے حوصلے اور اولوالعزمی کا کام ہے۔ اس کے لیے ذہنی توازن، دوسروں کے ساتھ جذبہ ہم آہنگی اور ذاتی رایوں کے خلاف ہونے والے فیصلوں کی پیروی لازم ہے۔ ماسوا اس کے کہ آپ کے سر کتاب و سنت کے نصوص کے صریحاً خلاف کوئی چیز ٹھونس رہی ہو۔ روزمرہ کام کے لیے طریق کار دعوت کے بنیادی اصولوں کے تحت سوچے اور اختیار کیے جاتے ہیں مثلاً فرض کیجیے کہ فیصلہ یہ ہے کہ تعلیم بالغاں کے ذریعے کام کرنا ہے تو پھر ایک دیانتدار داعی حق کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی ساری سوچ، اپنے دوستوں کے سارے مشوروں اور قابل عمل ساری تدبیروں کے ساتھ تعلیم بالغاں کو ذریعہ دعوت بنائے اور کوئی اختلاف رائے اس کی سرگرمی عمل کو کم نہ کر سکے۔

ایسے ہوتے ہیں سچے داعیانِ اقامتِ دین !

محبت و اخوت کی فضا کو تباہ کرنے کا باعث افراد کی باہمی نزاعات بھی ہوتی ہیں۔ کچھ نزاعات کا تعلق زبان کے غلط استعمال سے ہوتا ہے اور کچھ کا تعلق نامناسب رویے سے، کبھی کسی کی معمولی سی حق ماری جیسے اُس کی نشست پر اُس کی اجازت کے بغیر قبضہ جالیا، یا کسی کے راز کو افشاء کیا، یا کسی کی کوئی چیز نالغ کر دی، سے تعلقات میں تکرر پیدا ہو جاتا ہے۔

ایسے معاملات میں نہایت ہی سہل طریقہ جذبہ صداق کے ساتھ معافی طلب کر لینا ہے۔ طلبِ عفو رسمی اور نمائشی بن جاتی ہے اگر اس کے ساتھ قلبی ندامت شامل نہ ہو۔ بطورِ خود معافی کا حصول اور تعلقات کی بحالی کی مہم سرنہ کی جاسکتی ہے تو کسی تیسرے آدمی سے مدد لی جاسکتی ہے۔ بہر حال دو مسئلوں کو جلد سے جلد تعلقات کو بحال کر لینا چاہیے۔ صرف ظاہری تعلقات ہی نہیں، قلبی تعلقات بھی!

محبت و اخوت کی تباہی کا ایک باعث باہمی معاملات کی خرابی ہوتا ہے۔ مثلاً مل کر کاروبار کرنے والے ساتھی اگر ایک دوسرے کے حقوق کا نقصان کریں، یا اپنے حصے سے زیادہ مال اٹھا لیں۔ یا طے شدہ معاہدے کی خلاف ورزی کریں، یا واجبات کی حسبِ وعدہ واپسی نہ کریں، یا حلتاً کو چھپائیں تو ایسی تمام امکانی صورتوں میں سے کوئی بھی برا درانہ تعلقات کو خراب کر سکتی ہے۔ اس کا علاج سوائے اس کے کیا ہے کہ معاملات اور تقسیمِ حقوق و فرائض کو تحریری شکل میں لایا جائے، مفاد کی دنیا میں امورِ معروف کی پابندی میں کوتاہی ہو جائے تو از سر نو پابندی اختیار کی جائے۔ پہلے جو غلطی کی جا چکی ہو اُس کی تلافی اور معافی کی کوشش کی جائے۔ کاروبار اور دولت سے زیادہ عزیز اپنے بھائی کو رکھا جائے۔

کوئی الجھن واقع ہو تو ٹھنڈے طریق سے تبادلہ خیالات کیا جائے، معاملات کا تجزیہ کیا جائے، حسابات دیکھے جائیں، شہادتیں حاصل کی جائیں۔ وضاحت کی ضرورت ہو تو وضاحت کی جائے، نالشی کی ضرورت پڑے تو کسی معتمد علیہ بزرگ یا مشترک دوست کو ذریعہ بنایا جائے۔ کسی مرحلے پر نوبت تو تسکاء، کالم گلوچ اور دھینکا مشتی تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ کیونکہ یہ نفاق کی ایک علامت ہے کہ جب نزاع پیدا ہو تو کوئی شخص فجور کا راستہ اختیار کرے۔

۱۔ قلبی تعلقات کی صحت کا معیار یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے پسند یا پسند نہ ہو۔

لیکن جو فرق سچا خدا پرست ہے وہ مال کا نقصان گوارا کر لے، لیکن یہ گوارا نہ کرے کہ (غلطی خواہ دوسرے کی ہو) اُس کی اخلاقی ساکھ خراب ہو، یا محضوڑے سے مال کی وجہ سے ایک مسلمان بھائی سے ہمیشہ کے لیے متقاطع ہو جائے۔ چھوٹے موٹے مفاد اور محضوڑے بہت مال سے دست بردار ہو کر بھی حلقہ تعارف کو یہ تاثر نہ لینے دیا جائے کہ اسلام کا کام کرنے والا فلاں شخص جھگڑا لیا یا مفاد پرست ہے۔

مزید یہ کہ اگر قرض دیں تو اتنا دیں کہ اگر وہ واپس نہ ہو سکے تو آپ شروع ہی سے اُسے معاف کرنے کی نیت رکھتے ہوں۔ کسی کی مالی ضمانت دینے سے بہتر یہ ہے کہ نہ ضمانت اپنی طرف سے مدیہ کر دی۔ قرض لینے کے بارے میں حد سے زیادہ اجتناب کرنا چاہیے۔ جائیدادیں اور مکان بنانے یا کاروبار چلانے یا نیچے کے معاشی دائرے سے نکل کر اوپر کے دائرے تک پہنچنے کے لیے دوسروں سے بڑی بڑی رقمیں اپنے مالی حالات کے حقیقت پسندانہ جائزے کے بغیر لینے کا نتیجہ بالعموم یہ ہوتا ہے کہ ایسی ادائیگیاں ناممکن ہو جاتی ہیں، اور اس طرح کی بعض مثالیں میرے نوٹس میں ہیں کہ ایک پارٹی نے دوسری سے قرض لے کر اپنے آپ کو اُسچا ضرور اٹھا لیا مگر پھر وہ قرض کبھی واپس نہ ہو سکا۔ ہوا بھی تو کوئی جزوی، اور بقیہ بلیا میٹ ہو گیا۔ جلنتے بوجھتے دوسروں کے پیسے پر کسی جھونپڑے والے کا اپنی امارت کا محل کھڑا کرنا عجیب قسم کا رومانوی (ROMANTIC) معاملہ ہے جو کبھی کبھی عیاری و چالاکی کی حدوں کو چھو لیتا ہے۔ ایسا طرز عمل اسلام کے کسی سچے خادم کو کبھی اختیار نہیں کرنا چاہیے اور کسی وجہ سے ایسے واقعات میں وہ پھنس جائے تو راہ نجات یہ ہے کہ جو قرض دولت کھڑا کیا ہے وہ پورا یا اُس کا کوئی حصہ حساب کے مطابق انخوش دلی سے قرض خواہ کے حوالے کر دیا جائے۔ متوسط الحال بلکہ غریب طبقوں اور اُس کی بالائی سطح سے تعلق رکھنے والوں کو چھوٹے موٹے قرض صرف اُس صورت میں لینے چاہیے جب کہ کسی بیماری، مقدمے یا دیگر مصائب کی وجہ سے بڑا وقت پیش آ جائے اور ایسی ہر رقم کی واپسی کی اقل روز سے پختہ نیت ہونی چاہیے۔ اور اس کی ادائیگی کے لیے دعائیں (بعض مسنون دعائیں بھی ہیں) کرنی چاہیے۔ اور پھر اگر ساری کوشش کے باوجود بروقت پوری رقم یا مقررہ قسط کی ادائی نہ ہو سکے تو نہ دل سے معذرت کر کے مزید مہلت حاصل کی جاسکتی ہے، اور اگر ایک لمبے عرصے کی کوشش کے باوجود نہ تو زائد آمدنی حاصل کر کے یا بچت کر کے رقم واپس کی جاسکے ہو اور نہ اپنی کوئی چیز بیچ کر حساب چکانا ممکن ہو تو پھر لجاجت سے کوشش کرنی چاہیے کہ قرض خواہ

اپنی رقم معاف کر دے۔ ایسا بھی نہ ہو سکے تو پھر کسی ایک یا چند دوستوں کے سامنے صورتِ حالت رکھ کر درخواست کر جائے کہ کچھ لوگ آپ کے قرض کا بوجھ فی سبیلِ امداد اترادیں۔

اوپر کی ساری گذارشات میں اہم ترین باتیں تین ہیں:
ایک یہ کہ کاروباری اشتراک میں کوئی بات ایسی نہ ہونی چاہیے کہ آپ کی آمدنی میں رزقِ حرام کا کچھ شامل ہو جائے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ آپ جانتے سمجھتے ہوں۔ زبردستی کی حاصل کردہ رقم ہو یا ہیر پھیر سے اخذ کردہ مال ہو، یا حسابات سے بالا بالا کوئی آمدنی ہو، یہ چیز آپ کے سارے رزق کو ناپاک کر دے گی۔ اور جہاں رزقِ حرام پہنچ جاتا ہے، وہاں پھر نہ ایمان کی خیر ہے، نہ عبادت اور اذکار و دعوات کی۔ حدیثِ نبوی سے ظاہر ہے کہ غل و غش کا معاملہ اگر سوئی دھاگے جتنا بھی ہو تو شہید کی شہادت کی جزا پہ پانی پھر جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ قرض ایسی چیز ہے جو اگر مرتے دم آدمی کے ذمہ رہ جائے اور اس کی طرف سے ورثہ نہ ہو تو وصیت کی گئی ہو اور نہ وہ ادا ہی کریں۔ تو خدا بچائے، ایک پیسہ بھی پہاڑ جیسی نیکیوں کے سامنے حائل ہو جائے گا۔

آخرت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو جھوٹے چھوٹے مالی اور معاملاتی امور میں ہم جو زیادتیاں ایک دوسرے پر کرتے ہیں وہ حد درجہ تباہ کن ہوتی ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم ماورِ پر بات کر چکے ہیں، کاروباری معاملات یا قرض کے بارے میں لاپرواہی یا دیدہ دانستہ غلط منفعیت اندوزی، تحریکِ اسلامی کے سپاہیوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کدورت کا نہ ہر بھر دیتی ہے۔

کاروباری اور معاملاتی ذمہ داریوں میں جو لوگ کوتاہ ثابت ہوتے ہیں یا دانستہ گڑبڑ کرنا جن کا وتیرہ ہوتا ہے، جو ایسی کسی بد معاملگی کی وجہ سے بدنام ہوں، میرا علم و ضمیر یہ کہتا ہے کہ اگر وہ جلد سے جلد اپنی اصلاح اور خرابیوں کی تلافی نہ کر سکیں تو انہیں تحریکِ اسلامی کے داعیوں کی صف میں کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ میرے بس میں ہو تو میں کسی ایسے شخص کو یہ اجازت نہ دوں کہ وہ کسی اسٹیج سے دین کی سر بلندی کے وعظ کہے، وہ نظامِ حیات یا اخلاق کو سنوارنے (باقی بر صفحہ ۴۵)